رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۳۵

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

ظلمتیں کافور ہو جائینگی اگر دن دیکھنا | عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا | میں بھی اک نورانی چہرہ کے پرستاروں میں ہوں

الفضل

دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دیگا (الہام مسیح موعود)

مضامین بنام ایڈیٹر
اور
باقی تمام خط و کتابت بنام مینیجر الفضل
قادیان ضلع گورداسپور کے پتہ پر ہو۔

چندہ مقامی خریداروں سے ساڑھے چار روپے

چندہ غیر ممالک سے سات روپے

آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہی مسیح موعود ہے
حقیقۃ الوحی صـ ۶۵

جلد ۳ | ۲۹ فروری ۱۹۱۶ء | سہ شنبہ | ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ | نمبر ۹۳

مدینۃ المسیح علیہ السلام

سیدنا امیرالمومنین کی طبیعت اچھی ہے۔ ڈاک کیوقت اور نماز پنجگانہ میں باہر تشریف لاتے ہیں:

(۲) جمعہ کے روز حضور نے مرزا احسن بیگ صاحب رئیس کا مٹھا کا نکاح مرزا ناصر علی صاحب وکیل کی بیٹی شریف بیگم سے دس ہزار مہر پر اور ستری فضل کریم کا نکاح بنت احمد دین ضلع سیالکوٹ سے ایک سو روپیہ پر پڑھا:

ہفتہ کے روز گروکل کے دو فارغ التحصیل طالبعلم حضور کیخدمت میں آئے آپنے ان سے فرمایا کہ گروکل ہم گئے تو آپکے گورنر منشی رام صاحب نے ہماری دعوت کی تھی امید ہے کہ آپ بھی ہماری دعوت قبول کرینگے

اخبار احمدیہ

ایک کم سن بچہ کا استقلال

خواجہ غلام محی الدین صاحب سکرٹری انجمن

احمدیہ یاڑی پورہ دکشمیر، لکھتے ہیں۔ کہ میرا ایک رشتہ دار جس کی عمر اس وقت ۱۵ سال کی ہے۔ اور جماعت پنجم پرائمری میں پڑھتا ہے۔ چند ماہ سے احمدی ہوا ہے۔ اس نے غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنا بالکل چھوڑ دی ہے۔ اس کے باپ نے احمدیت کی وجہ سے اسے سخت تنگ کرنا شروع کیا حتی کہ اس کے کھانے پینے کے برتن الگ کر دیئے۔ لیکن چند ہی دنوں میں اس کا باپ ایک پھوڑے کے نکلنے سے مر گیا۔ اس لڑکے نے اپنے باپ کا جنازہ نہ پڑھا جزاک اللہ

(زندہ باش) اب اس کا ایک بڑا بھائی ہے۔ جو باپ کی بجائے اسے تکلیف دینے کے درپے ہے۔ نیز اس کے ماموں نے بھی اپنی طرف سے تکلیف پہنچانے میں کوئی کمی نہیں رکھی۔ چنانچہ وہ اس کے باپ کے مرنے کے بعد ہمارے گاؤں میں آیا۔ اور تمام غیر احمدیوں کو اکٹھا کر کے اس لڑکے کو بلا کر کہنے لگا۔ کہ تمہارے باپ کے ذمہ میرا قریباً دو سو روپیہ قرض ہے۔ اگر تم احمدیت سے تائب ہو جاؤ گے۔ تو میں اس قرضہ کے وصول کرنے میں جلدی نہ کرونگا۔ ورنہ اسی وقت میرا قرضہ ادا کرو۔ لیکن تمہارے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ احمدیت کو چھوڑ دو۔ یہ سنکر وہ بیچارہ لڑکا بالکل خاموش کھڑا رہا۔ اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس پر اس کے ماموں نے اٹھکر اس کے منہ پر دو تین

(باہتمام شیخ عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر مطبع ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا)

تھپڑ جڑ دیئے۔ اور مجبور کیا۔ کہ جلدی جواب دو۔ آخر اس لڑکے نے کہا۔ کہ میں آپ کو کیا جواب دوں۔ آپ تو بڑے پکے مومن اور مسلمان بنتے ہیں۔ اور مجھے کافر بنا کر توبہ کراتے ہیں۔ لیکن کل جو آپ کا خط آیا تھا۔ اس میں صرف پچپن روپیہ قرض لکھا ہے۔ اور اس وقت ایک سو دس روپیہ بتایا ہے۔ کیا یہی ایمانداری ہے۔ اور اسی اسلام پر آپ کو اس قدر ناز ہے۔ یہ سنکر وہ سخت شرمندہ ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ تم توبہ کرو لیکن اس لڑکے نے کہا۔ کہ میں تو یہ کرنے کو اپنے قتل ہو جانے سے بھی برا سمجھتا ہوں۔ اس لئے آپ مجھ سے یہ توقع ہرگز ہرگز نہ رکھیں۔ یہ سنکر اس کا ماموں اور تمام غیر احمدی مایوس ہو کر چلے گئے ؛

تبلیغ کا جوش

چوہدری نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میں سب انسپکٹر نباس ہوں۔ اور دیہات میں دورہ رہتا ہے منصبی فرائض کی ادائگی کے بعد لوگوں کو پیغام حق یعنی تبلیغ احمدیت سناتا ہوں چنانچہ بفضل خدا اس وقت تک چھ آدمی سلسلہ عالیہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور کئی ایک قریب ہیں۔ موضع بھابڑہ تحصیل گورداسپور میں دو نئے احمدی ہوئے ہیں باقی تمام گاؤں مخالف ہے۔ اور اس مخالفت کی بنا پر انہوں نے ایک مولوی اکبر علی کو وہاں بلایا وہ آکر احمدیوں کے خلاف کچھ سنانے لگا۔ وہاں کے احمدیوں نے گذشتہ اتوار مجھے آدمی بھیجا میں اسی دن وہاں پہنچ گیا۔ مولوی مذکور مجھ سے پہلے حیات مسیح کا ثبوت لوگوں کو دے رہا تھا۔ اور بہت سے لوگ جمع تھے۔ میں بھی وہیں بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب نے بل رفعہ اللہ والی آیت پیش کی جس کا جواب بفضل خدا شافی دیا گیا۔ اور دیگر آیات قرآنی سے وفات مسیح کے متعلق لوگوں کو بتایا اور فلما توفیتنی والی آیت کے معنے مولوی صاحب کو کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے اس کے متعلق لوگوں کو یہ سنایا کہ اس وقت کا ذکر ہے جبکہ یہود حضرت مسیح کو پھانسی دینے لگے تھے۔ یہ مولوی صاحب کا دہوکہ تھا۔ جو لوگوں کو دینا چاہتے تھے۔ مگر میں نے دو تین سمجھدار آدمیوں کو مولوی صاحب کے کئے ہوئے معنوں کا گواہ ٹھہرا کر کہا۔ کہ مولوی صاحب نے یہ بالکل غلط معنی کئے ہیں اور جھوٹ بولا ہے۔ چنانچہ میں ابھی ان کا جھوٹ تمہیں بتاتا ہوں یہ کہکر میں نے قرآن شریف لیکر شروع رکوع سے لوگوں کو سنانا چاہا۔ مولوی صاحب کو اپنی پردہ دری سمجھ گئی۔ فوراً بستہ باندھکر چلنے کے لئے تیار ہو بیٹھے۔ میں اور دیگر تمام غیر احمدی لوگ انکو روکتے رہے۔ لیکن وہ یہی کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہ احمدی جھوٹے ہیں۔ اے مسلمانوں تمہیں خدا کی قسم ہے۔ کہ اس شخص کی کوئی بات مانو۔ یہ کہکر مولوی صاحب بھاگ نکلے۔ خدا تعالیٰ نے اس طرح یہ کامیابی عطا فرمائی جس کا تمام لوگوں پر بہت عمدہ اثر ہوا ؛

درخواست دعا

۱۔ ملا موسیٰ خان خواجہ خیل ادا ار قرضہ کے لئے احباب سے درخواست دعا کرتے ہیں ضرور دعا کی جائے۔ مخلص بھائی ہیں ؛

۲۔ غلام نبی طالب علم سیالکوٹ امتحان میں کامیابی کے لئے دعا کا خواستگار ہے ؛

اطلاع

مکرم میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق بحکم حضرت خلیفۃ المسیح ثانی دہلی گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے دو ہفتہ کا فاروق شائع نہ ہوگا۔ امید ہے اس کمی کو آئندہ کبھی پورا کر دیا جائیگا۔

نقشہ اجرت اشتہارات الفضل ہفتہ وار

نمبر ۹۰ میں غلط اجرت کا اعلان ہوا ہے صحیح اجرت یہ ہے

	صفحہ	کالم	نصف کالم	تہائی کالم	چوتھائی کالم
ایک سال	۲۰۰	۱۰۰	۵۵	۳۶	۳۰
نصف سال	۱۵۰	۵۲	۲۸	۲۰	۱۴
سہ ماہی	۸۰	۳۰	۱۶	۱۲	۱۰
ایک ماہ	۲۸	۱۲	۸	۵	۴

عدالت کی فورمی اور یک بار اشتہار کی اجرت

اس سے ڈیوڑھ گنی ہے

دو بار	۱۸	۹	۶	۴	۳
ایک بار	۱۱	۶	۴	۳	۲

دہلی میں جلسہ

احباب کو اطلاع ہو کہ ۳۔۴۔۵۔۶ مارچ چار روز جلسہ تبلیغ احمدیت رہیگا۔ مکان کا بندوبست ہو گیا ہے۔ جو ذی استطاعت جانا پسند کریں ضرور جلسہ کی رونق بڑھائیں۔ ہمارے علماء قادیان سے ۲ مارچ کو روانہ ہوں گے (انشاء اللہ) دہلی میں ماسٹر احمد حسین فرید آبادی کو خبر

بقیہ صفحہ چار

جس سے ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذرا بھی بے تعلقی کا اظہار ہوتا ہے۔ تو وہ جھوٹا ہے۔ اور حق اور صداقت پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ ثمر دار شجر تھے جس نے ہزارہا شیریں ثمر پیدا کئے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پاک الفاظ کسی کو یاد نہیں ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم سب سے بہتر اور اعلیٰ میرا زمانہ ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ہوگا جو اس کے بعد آئینگے۔ اور پھر وہ لوگ جو اس کے بعد آئینگے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سب سے پہلے زمانہ صحابہ کا ہے اس کے بعد تابعین کا اور پھر تبع تابعین کا۔ پس جب صحابہ کرام کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت موجود ہو۔ تو پھر کون ہے۔ جو یہ کہے۔ کہ آپ کے ساتھ ہی روحانیت یعنی اسلام کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اسلام ایک کلمہ صدق ہے۔ جو کسی کی موت وحیات سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کے محافظ ہر صدی میں آتے رہے ہیں۔ اور اس چودہویں صدی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل بروز حضرت مسیح موعود علیہ السلام مبعوث ہوا ہے۔ جس نے آکر باواز بلند کہا کہ ؎

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔

اس لئے اسلام کی روحانیت ہمیشہ زندہ ہے۔ اور ہمیشہ زندہ رہیگی۔ اس کے چمن میں کبھی خزاں نہیں آتی۔ مگر اس کے دیکھنے کے لئے چشم بینا اور فکر رسا چاہیئے ؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخبار الفضل

قادیان دار الامان مورخہ ۲۹ فروری ۱۹۱۶ء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک حضرات شیعہ کی نگاہ میں

یہ ایک بہت ہی پختہ اور واضح حقیقت ہے۔ کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ چونکہ حیات انسانی کے شجر کے پھل اس کے اعمال اور افعال کے نتائج ہوتے ہیں اس لئے ہر ایک انسان کی کامیابی اور ناکامی اور اس کی قدر و قیمت انہیں سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کے سوائے دنیا کی نگاہ میں اور کوئی ایسا معیار نہیں ہے جس سے کسی انسان کے متعلق کامیاب یا ناکامیاب ہونے کی رائے قائم کی جا سکے۔ اس بات کو پیش نظر رکھکر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ صفحہ روزگار پر اگر کوئی سب سے بڑھکر اپنے مقاصد میں کامیاب اور بامراد انسان ہوا ہے۔ تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے ہیں۔ اور یہ نہ صرف ہم لوگوں کا اعتقاد ہے جنہیں آپکے چشمۂ فیض سے فیض یاب ہونے کی توفیق ملی ہے۔ بلکہ وہ لوگ بھی جو کسی وجہ یا شومئے قسمت سے اس آب حیات سے مستفیض ہونے سے محروم رہے ہیں۔ اس کی شہادت دے رہے ہیں۔ اور کیوں نہ دیں۔ جبکہ یہ ایک ایسی ظاہر اور باہر حقیقت ہے جس کے انکار کی کسی کو گنجائش ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک اس وقت ہوئی جبکہ ظہر الفساد فی البر والبحر کا نظارہ صفحۂ عالم پر آشکارا تھا۔ انسان جسے خدا نے اشرف المخلوقات بنایا تھا۔ اپنے اعمال رذیلہ اور افعال ذمیمہ کی وجہ سے ایک بدترین مخلوق بن گیا تھا۔ دنیا جور و ظلم طغیان و عصیان سے بھر چکی تھی اور ہر ایک قسم کی بدی اور برائی اپنے انتہائی عروج تک پہنچ چکی تھی۔ ایسے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر جو کایا پلٹ دی۔ وہ اس قدر عظیم الشان تھی کہ چشم عالم نے نہ کبھی دیکھی اور نہ دیکھیگا۔ آپکے ذریعہ انسانوں نے نہ صرف انسانیت کے کھوئے اوصاف کو پورے طور پر پا لیا۔ بلکہ با خدا انسان بن گئے۔ اور آپ کی قوت قدسی نے ایک ایسا معجزانہ اثر کیا۔ کہ ایک نہیں دو نہیں بلکہ بے تعداد ایسے انسان پیدا ہو گئے جو صحیح اور درست معنوں میں عباد الرحمٰن کے مصداق تھے اور ہر ایک قسم کی ظلمت اور تاریکی ان سے دور ہو گئی تھی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراجاً منیراً تھے۔ اس لئے آپ سے جس جس نے روشنی پائی۔ وہ روشن ہو گیا۔ اور تمام ظلمتوں اور تاریکیوں سے باہر نکل آیا۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں ورنہ ہم بتاتے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار قدسیہ سے بہرہ اندوز ہونے والوں میں کیا کچھ اوصاف پیدا ہو گئے تھے۔ وہ پہلے کیا تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کیا بن گئے۔ لیکن یہ بات تو کسی صاحب ہوش و خرد سے پوشیدہ نہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مقصد اور مدعا کے لئے دنیا میں مبعوث ہو کر آئے تھے یعنی مخلوق خدا کو ہر ایک قسم کی غلاظتوں اور گندگیوں سے پاک کر کے خدا تعالیٰ کے محبوب اور مرغوب بنانے۔ اس میں آپ کو بے نظیر کامیابی ہوئی۔ اور ایک نہیں دو نہیں بلکہ بیشمار انسان آپکے فیض صحبت سے ایسے پاک اور مطہر ہو گئے جو اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپکے بوئے ہوئے بیج اور لگائے ہوئے پودے کی نشو و نما اپنے صالح اور نیک نمونہ سے نہائت ہی اعلیٰ پیمانہ پر کی۔ وہ جو انہوں نے آنحضرت صلعم سے حاصل کیا تھا۔ اس کے پھیلانے اور دوسروں کو اس سے مستفیض کرنے میں لگ گئے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یافتہ اصحاب آپکے مقدس اور مطہر وجود کے ثمرات شیریں تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک عالم کو شیریں کام کیا۔ اور آپکے فیض کو آپکے بعد بھی جاری رکھا۔ اور یہی آپ کی عظیم الشان کامیابی اور بامرادی کی علامت تھی۔ اور آپ کی شان مقدس کو بلند کرنیوالی بات تھی۔ کیونکہ کسی انسان کا بذات خود کچھ اوصاف سے متصف ہونا اور بات ہے۔ لیکن اپنے اوصاف کا اثر دوسروں میں پیدا کر دینا اور انہیں اپنے رنگ میں رنگین کر لینا بالکل دوسری بات ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات حسنہ سے متصف اور تمام کمالات کے جامع تھے۔ لیکن اگر آپ اپنے اثر صحبت اور نمونہ اعمال اور تاثیر زبان سے اپنی صحبت میں رہنے والوں کو تمام دنیا سے ممتاز نہ کرتے۔ اور انہیں اوصاف حسنہ پیدا نہ کر دیتے۔ تو یقیناً آپ کی وہ شان اور وہ عظمت جو آج تختۂ عالم پر نہائت جلی اور روشن الفاظ میں اہل دانش و بینش کو نظر آ رہی ہے۔ دکھائی نہ دیتی مگر ممکن نہیں تھا۔ کہ وہ قدسی وجود جو رحمۃ للعٰلمین اور تمام دنیا کے لئے بشیر ہو کر آیا تھا۔ اپنے انوار قدسیہ کا پرتو ہر ایک اس انسان پر نہ ڈالتا۔ جو مضطربانہ وار اس کی طرف دوڑا آتا۔ اور جو اپنا سب کچھ قربان کر کے صرف اسی کا ہو رہنا اپنا نصب العین ٹھہراتا تھا۔ اس لئے جس اخلاص اور جس جوش کے ساتھ کوئی انسان آپکے حضور آیا اسی قدر زیادہ وہ آپکے نور سے بہرہ ور ہوا۔ اور پھر اس کا نور اسی تک محدود نہ رہا۔ بلکہ اطراف عالم میں پھیلتا گیا۔ جو حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کمال کا ثبوت تھا۔ اور آپ ہی کی شان کو بلند کرنے والا تھا۔ لیکن کس قدر افسوس اور رنج کا مقام ہے۔ کہ اس دنیا کے پردہ پر کچھ لوگ اس قسم کے بھی موجود ہیں۔ جن کا یہ خیال ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام کمالات کے جامع اور تمام روحانی ترقیات کے منبع تو تھے۔ مگر یہ سب کچھ آپکے پاس ہی رہا۔ اور آپنے اور کوئی انسان ایسے پیدا نہ کئے جن کی نسبت کہا جا سکے۔ کہ آپکے فیض اور نور سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں۔ شائد کسی کو یقین نہ آئے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ جن کا یہ خیال ہے۔ اس لئے ہم بتائے دیتے ہیں۔

ربیع الاول کا مہینہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ اس کے متعلق اہل شیعہ اصحاب کے رسالہ میں لکھا گیا ہے۔ کہ

"کہنے کو تو یہ ربیع الاول ہے۔ مگر ہمارے خیال میں اسلام کے بہار کا آخر ایام بھی ہے۔ کیونکہ حبیب خدا محبوب

کریا روحی لہ الفدا کی ولادت باسعادت سے جن کو خود خدا نے سراجاً منیراً فرمایا ہے، کفر و ضلالت کی تاریکی کافور علم و ایمان کی صبح نمودار ہوئی اور جب آپ مبعوث برسالت ہوئے۔ تو ہدایت کا آفتاب طالع اور دنیا منور ہوگئی حضرت کے وفات کی تاریخ ۲۸ صفر ہے جس سے دن دوپہر شام غریباں کا سماں آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔ تین روز تک جسد مبارک آپ کا بے گور و کفن رہا۔ جو کسی بے یار و غمگسار اور مسافر کے لئے بھی شاذ و نادر ہی پیش آجاتا ہے اس سے بڑھکر دنیا میں اندھیر اور کیا ہوگا سینکڑوں صحابی ہزاروں انصار جن کے سینے عزیزوں سے بھی سوا بتائے جاتے ہیں۔ موجود تھے۔ مگر دار الشوریٰ ثقیفہ کو چھوڑ کسی نے بھی پانی لانے اور قبر کھودنے کا خیال نہیں کیا۔ دل کباب بیٹی روتی رہی اور بیٹا کئے۔ ان کے محزون و مغموم شوہر نفس رسول و ابن عم بے یار و مددگار ہونے کے باعث تجہیز و تکفین کا سامان نہ کرسکا۔ خلافت کے انتخاب اور تخت نشینی سے فرصت ہوئی تو کچھ لوگ تشریف لائے اور آپ سپرد خاک ہوئے۔ اور **اسلام کے چمن میں ایسی وقت سے خزاں آگئی۔** اور وہ بھی ربیع الاول کا مہینہ تھا۔"

ان مندرجہ بالا الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ اور انصار میں آپ کے متعلق اتنی بھی ہمدردی اور محبت نہ تھی۔ کہ آپ کو جلدی دفن کر دیتے بلکہ وہ سب آپ کو چھوڑ کر دوسرے ہی کاموں میں لگے رہے و خلافت کا امر خلافت دینی کام اور سب سے زیادہ اہم تھا اور رسول اللہ کی محبت و ہمدردی سب سے بڑھکر یہی تھی کہ آپ کی جماعت اور آپ کے کام کو سنبھالنے کا بندوبست کیا جاتا) پس اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا صفات پر اور کیا حملہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے صحبت یافتوں کو اس قدر سرد مہر اور بیدرد قرار دیا جائے۔ اور وہ بھی آپ کے متعلق۔ اور پھر یہ فتویٰ لگایا جائے۔ کہ اسلام کے چمن میں اسی وقت سے خزاں آگئی"۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ہی اسلام (نعوذ باللہ) مردہ ہوگیا تھا۔ کیا اتنے بڑے عظیم الشان نبی کی اس قدر لمبے عرصہ کی کوشش اور محنت کا یہ نتیجہ ایسا دردناک نہیں ہے۔ جو آپ کی قوت قدسی کے بالکل منافی ہے۔ کاش تعصب اور عداوت کا مرض نہ ہوتا۔ تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا بڑا حملہ نہ کیا جاتا۔ اس سے بڑھکر دیکھئے لکھا ہے کہ۔

"حضرت کے بعد مسلمانوں کا ظاہری جاہ حشم بہت بڑھا۔ سلطنتیں قائم ہوئیں۔ حکومتیں ہاتھ آئیں۔ ملک پر ملک زیر نگیں ہوتے گئے لیکن اسلام کو ان سے کیا فائدہ پہنچا۔ **روحانیت باقی نہیں رہی۔ آپ کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوگیا**"

کیا ہی رلانے اور دکھ دینے والے الفاظ ہیں۔ وہ نور ہدایت جو اس لئے روشن کیا گیا تھا۔ کہ کبھی بھی دنیا کے پردہ سے مستور نہ ہو اور وہ شمع نورانی جو اس لئے جلائی گئی تھی۔ کہ عالم موجودات میں حق و باطل کے درمیان تفریق کرتی رہے۔ اس کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی گل ہوگئی۔ اور پھر تمام دنیا پر ظلمت اور تاریکی نے اپنا قبضہ جما لیا۔ اس بات کا تو اقرار کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت کو قائم کرنے کے لئے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے فوت ہونے کے ساتھ ہی روحانیت بھی فوت ہوگئی۔ کیا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک پر اتنا بڑا حملہ نہیں ہے۔ جو اسلام کو بیخ و بن سے ہلا دیتا ہے۔ ناظرین ان اسلام کے نادان دوستوں اور کم فہم مہربانوں کی خوش فہمی کی طرف توجہ کر کے ہماری اس بات کی تصدیق کیجئے۔ جو ہم نے ابتدا میں لکھی ہے۔ کہ دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن کا اعتقاد ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کسی کو وہ نور اور ہدایت حاصل نہیں ہوا جس کے دینے کے لئے آپ بھیجے گئے تھے۔ لیکن یہ بالکل غلط اور فضول بات ہے۔ کیونکہ اگر اس کو مان لیا جائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر بہت بڑا حملہ ہوتا ہے۔ آپ کی شان ہر ایک قسم کے حملوں سے پاک اور منزہ ہے یہ ایک الگ بات ہے۔ کہ کوئی انسان تعصب اور عداوت کی پٹی آنکھوں پر باندھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو نہ دیکھ سکے۔ ورنہ اصل بات یہی ہے۔ کہ آپ جس مقصد اور مدعا کے لئے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اس میں آپ کو اس قدر کامیابی ہوئی۔ کہ اور کسی نبی کو نہیں ہوئی۔ اور آپ کی وہ کامیابی یہی ہے۔ کہ آپ کے ذریعہ ایسے انسان پیدا ہوگئے جو اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور آپ کی صحبت نے انہیں ایسا جانثار اور باوفا بنا دیا۔ کہ کسی اور نبی کی امت میں ایسے افراد نہیں ملتے۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بہت بڑے نبی ہوئے ہیں۔ لیکن انکو ان انسانوں سے واسطہ پڑا۔ جنہوں نے باوجود بہت بڑے بڑے نشانات دیکھنے کے ایک خاص موقعہ پر کہدیا کہ یموسیٰ انا لن ندخلها ابدا ما داموا فيها۔ فاذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون۔ اے موسیٰ ہم وہاں کبھی بھی داخل نہ ہونگے جب تک کہ وہ لوگ وہاں رہتے ہیں پس تو اور تیرا رب جاؤ۔ اور ان سے جا کر لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے تماشا دیکھینگے۔ اس سے بڑھکر بے وفائی۔ اور بیدردی کی اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ پھر دیکھئے حضرت مسیح کو ان کے ایک نہایت مخلص حواری نے ۳۰ درموں کے عوض ان کے دشمن کے ہاتھوں گرفتار کرا دیا۔ اور خود ان کے جانشین تک نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ ان کو سب و شتم سے یاد بھی کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی وہ شان تھی۔ کہ ایک لڑائی کے موقعہ پر انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ ہم تیرے داہنے اور بائیں آگے اور پیچھے لڑینگے۔ اور جب تک دشمن ہمیں قتل نہ کر دیگا۔ آپ تک نہ پہنچ سکے گا۔ ہم اپنی جانیں قربان کر دینگے۔ مگر آپ کو نہ چھوڑینگے۔

اس ایک ہی واقعہ سے اس بات کی نہایت صفائی سے تصدیق ہو جاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں آپ کے متعلق کس قدر انس اور محبت تھی۔ اور کس قدر آپ کے دلدادہ و شیدا تھے۔ اس واقعہ کے باوجود اور ہزاروں ایسی قسم اور بہت سے واقعوں کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی صحابہ کرام کی نسبت کوئی ایسی بات کہتا ہے

(بقیہ صفحہ ۹ کالم ۳ ملاحظہ ہو)

ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد

تصدیق المسیح

مسئلہ نزول المسیح

گذشتہ سے پیوستہ

والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتے لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیراً من الدنیا وما فیہا ثم یقول ابوھریرۃ فاقرؤا ان شئتم وان من اھل الکتٰب الاٰیہ ۔

کسر صلیب سے کیا مراد ہے

اس حدیث میں یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر آیا ہے اگر ان کے ظاہری معنے لیئے جائیں۔ تو قرآن کریم اور حدیث میں نبیوں کے کاموں میں سے یہ دو کام نہیں بتائے گئے اور عقلاً بھی ایک نبی کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے۔ کہ وہ اپنا وقت ایسے کاموں میں صرف کرے۔ جنکا کوئی نتیجہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص ہندوؤں کے جنیو اتار اتار کر جلاتا پھرتا ہے۔ تو کیا اس سے ہندوؤں کے مذہب پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ یہ کام اسکا بالکل لغو ہوگا۔ اگر کہو کہ مسیحؑ جبراً صلیبیں توڑ کر ان کو مسلمان کرتا جائیگا۔ اول تو یہ طریق قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ لا اکراہ فی الدین ایسی ناجائز حرکت کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر عقلاً آدمی سوچ سکتا ہے۔ کہ جو لوگ جبراً مسلمان کئے جائیں گے۔ کیا وہ ویسے مسلمان ہو سکتے ہیں۔ کیا سب کے سب منافق نہ جمع ہو جائیں گے۔ لہذا مجبوراً آپ کو یہ معنے کرنے پڑیں گے۔ کہ حضرت مسیحؑ دلائل کے ساتھ صلیبی مذہب کو پاش پاش کریں گے۔ دیکھو کتاب ترمذی۔ قال الطیبی المراد من کسر الصلیب اظہار کذب النصاریٰ۔

قتل خنزیر سے کیا مراد ہے

پھر یقتل الخنزیر ہے۔ اول تو یہ سوال ہوگا۔ کہ خنزیروں کے مارنے سے کیا فائدہ پھر یہ کہ خدا کا اور مسیحؑ کا گویا مقابلہ ہوگا۔ خدا تو خنزیروں کو رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اس نے ان کو پیدا کیا۔ اور پھر ان کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے سلسلہ تناسل ان میں جاری کر دیا۔ اور مسیحؑ نعوذ باللہ منشاء الٰہی کے خلاف ان کی بیخکنی کے درپے ہونگے پھر یہ کام یورپ میں تھوڑا ہو رہا ہے۔ کہ مسیحؑ بھی آکر ان کی مدد کریں گے۔ پھر اگر انھوں نے کوئی شکار کرنا تھا۔ تو کسی پاک جانور کا شکار کرتے۔ غرض اس میں بھی آپ کو مجبوراً خنزیری صفت کے لوگ مراد لینے پڑیں گے۔ پس جب تم کسر صلیب سے مسیحی مذہب مراد لیتے ہو۔ اور قتل خنزیر سے خنزیر صفت آدمیوں کے عقائد باطلہ کی تردید سے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ہم ابن مریم سے مثیل ابن مریم مراد نہیں لے سکتے۔ انصاف فرمادیں ۔

یفیض المال سے کیا مراد ہے

پھر یفیض المال کے یہ معنی کئے جاتے ہیں۔ کہ مسیح خزانوں کے دروازے کھول دے گا مگر کوئی قبول نہیں کرے گا اول تو یہ مطلب اس لئے غلط ہے۔ کہ حدیث میں آتا ہے الدنیا جیفۃ وطلبہا کلاب۔ کہ دنیا ایک مردار ہے اور جو اسکو چاہتے ہیں۔ وہ کتے ہیں۔ تو کیا مسیح بجائے اس کے کہ لوگوں کی اصلاح کرکے انسان اور انسان سے باخدا انسان بنائے۔ جو نبیوں کا کام ہوتا ہے۔ دنیا کی طرف بلا کر لوگوں کو کلاب بنائیگا ہرگز نہیں۔ نبی تو دنیا کے پنجے سے لوگوں کو چھوڑانے آتے ہیں۔ نہ کہ اس میں مبتلا کرنے کے لئے پھر اس لئے بھی وہ مطلب غلط ہے۔ کہ بہرحال جن کے لئے مسیح خزانوں کے دروازے کھولیں گے۔ دو قسم کے لوگ ہوں گے۔ یا تو موافق اور یا مخالف۔ پس موافق جو ہیں۔ وہ حضرت مسیحؑ کے دئے ہوئے مال کو کس طرح رد کر سکتے ہیں جب کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے۔ ما اٰتکم الرسول فخذ وہ کہ رسولؐ جو تم کو دے۔ وہ لے لو۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ نبی کریمؐ حضرت عمرؓ کو فرماتے ہیں۔ جبکہ انھوں نے نبی کریمؐ کے دیئے ہوئے مال کے لینے سے انکار کیا۔ یا یہ خیال کر میں غنی ہوں ۔ما اعطیت بغیر مسئلۃ فخذہ یا رث اللہ ۔ پس موافق تو قرآن اور حدیث کے رو سے انکار کر نہیں سکتے۔ بلکہ وہ تو تبرکاً مانگ کرکے بھی لیں گے۔ باقی رہے مخالف۔ سو وہ تو ہمیشہ طالب دنیا ہوا کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ اگر کسی کے پاس دو وادیاں سونے کی بھری ہوئی موجود ہوں۔ پھر بھی وہ خواہش کریگا۔ کہ کچھ اور مل جائے۔ پس مخالف تو خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے۔ کہ ان کو مفت میں مال ملتا ہے ۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت

باقی ابوہریرہ نے جو حدیث کے ساتھ ان من اھل الکتٰب کی آیت بنا دی ہے۔ تو یہ ان کا اپنا فہم ہے۔ نبی کریمؐ کا قول نہیں محققین اس کی حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کے اجتہاد کے قائل نہیں پھر حضرت ابن عباس کے معنے اس کے خلاف ہیں۔

حکماً عدلاً سے کیا مراد ہے

باقی رہا یہ سوال کہ مرزا صاحب کو حکومت نہیں ملی۔ اور حدیث میں حکماً عدلاً کرکے آیا ہے۔ اول تو خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیاوی حکومت کی کوئی زیادہ قدر و منزلت نہیں۔ بلکہ روحانی حکومت جو ہوتی ہے۔ اسکو قرآن نے مقدم رکھا ہے۔ اسی لئے نبی کریمؐ کو بھی سب سے پہلے خدا نے روحانی حکومت بخشی۔ اور جب ظاہری حکومت ترقی کرنے لگی خدا نے ان کو دنیا سے اٹھا لیا۔ اور پھر یہاں پر یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر میں ایک قرینہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مسیح کی حکومت روحانی حکومت ہوگی۔ کیونکہ اس کے زمانہ میں روحانی قتال ہوتا ہے خصوصیت کے ساتھ صلیبی مذہب کے ابطال کا ذکر اس لئے کر دیا۔ کہ تمام مذاہب سے اسکا عروج زیادہ ہوگا۔ پس جو شخص بڑی طاقت کو مغلوب کر سکتا ہے۔ دوسرے مذاہب کا بدرجہ اولیٰ ابطال کر سکتا ہے پھر قرآن کریم پڑھو۔ یہودیوں کو خدا تعالےٰ نے کیا فرمایا ہے پھر دیکھو۔ کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں میری امت بھی جو بظاہر میری امت اور مسلمان کہلائے گی۔ اور حقیقت میں بالکل یہودی صفت ہو جائے گی۔ ان میں اور ان میں ایک بالشت کا بھی فرق نہیں رہیگا۔ مسیحؑ ان کے بدعقائد کی بھی تردید کریگا۔ اور حقیقی اسلام کا چہرہ دنیا پر روشن کر دے گا۔ اصل میں لیظھرہ علی الدین کلہ کی آیت

جو مسیح کے متعلق ہے۔ یہ اسی کا مطلب بیان کرتی ہے چنانچہ مرزا صاحبؑ نے تمام مذاہب کو باطل ثابت کر کے حقیقی اسلام کو غالب کر دکھایا۔

یضع الجزیۃ سے کیا مراد ہے

اور یضع الجزیۃ اسلئے آیا ہے کہ نہ وہ ظاہری جنگ کرے گا اور نہ کسی سے جزیہ لینا پڑے گا کیونکہ فاتح قوم جزیہ لیا کرتی ہے۔ ورنہ اگر ظاہری جنگ مراد لی جائے۔ تو قرآن نے تو کفار سے جزیہ لینا ضروری قرار دیا ہے۔ جیسے آیا ہے حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔ تو مسیحؑ قرآن کے خلاف کسطرح کر سکتے ہیں۔ اسی واسطے تو دوسری حدیث میں یضع الحرب آیا ہے۔ کہ وہ جنگ ظاہری موقوف کر دیگا۔

جہاد کی حقیقت

جہاد صرف تلوار کی لڑائی کو ہی نہیں کہتے۔ ماں باپ کی خدمت کو بھی رسول اللہ صلعم نے جہاد کہا ہے۔ رسول اللہ صلعم کے وقت چونکہ کفار اسلام کا ابطال تلوار کے ذریعے کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اس وقت تلوار کا جہاد ضروری تھا۔ اور اب چونکہ تقریری یا تحریری دلائل کی جنگ ہے۔ اور اس ذریعہ سے مذاہب کا ابطال کیا جاتا ہے۔ اسواسطے اس وقت یہی ذریعہ استعمال میں لانا ضروری ہے اور یہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ۔ کہ ہلاک وہی ہوتا ہے۔ جو دلائل سے مغلوب ہو جائے۔ اور زندہ مذہب وہی ہوتا ہے جو دلائل سے غالب آئے۔ واقعہ میں اگر کسی کافر کی تلوار سے گردن اڑا دی جائے۔ تو کیا اس سے اس کے مذہب کا باطل ہونا ثابت ہو جائیگا۔ ہرگز نہیں۔ اور عدل بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ جو شخص دلائل سے مقابلہ کرتا ہے۔ اسکا مقابلہ دلائل ہی سے کیا جاوے نہ کہ تلوار سے۔

مسیح کے وقت جنگ نہ ہوگا

قرآن میں جو آتا ہے یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم اسکا بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ مسیحؑ کے وقت مخالفین اپنی منہ کی باتوں سے اسلام کو مٹانا چاہیں گے۔ نہ کہ تلوار سے۔ پس مسیحؑ کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے دلائل توڑے اور محکم دلائل پیش کرے۔ چنانچہ براہین احمدیہ میں کئی سو دلائل مرزا صاحبؑ نے لکھے۔ اور ان کو توڑنے والے کے لئے دس ہزار روپیہ انعام رکھا۔ مگر کوئی نہ توڑ سکا اور یفیض المال کی پیشگوئی آپ میں اس طرح پوری ہوئی۔ کہ اپنی کتابوں کے جواب میں لاکھوں کی تعداد میں روپیہ مقرر کیا۔ مگر کسی نے قبول نہ کیا۔ اگر یہ علماء لکھ سکتے تھے۔ مگر انھوں نے لکھنا لغو سمجھا۔ تو میں کہتا ہوں۔ قرآن کی مثل لانے سے بھی جب کفار عاجز آئے۔ تو یہی بات کہکر ٹالدیا۔ ولو نشاء لقلنا مثل ھذا۔ اگر ہم چاہیں۔ تو ایسا قرآن بنا سکتے ہیں۔

لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ

"ایک غیر احمدی دوست نے اس حدیث مندرجہ عنوان کے معنے پوچھے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب نے بھی النبوۃ فی الاسلام کے صفحہ ۱۱۸ پر اس حدیث کو پیش کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح موعودؑ کے نبی نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے "یہ حدیث بھی قطعی اور یقینی طور پر ثابت کرتی ہے۔ کہ اس امت میں مطلق کوئی نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر اس امت میں نبی ہونے کا امکان ہوتا۔ تو حضرت عمر نبی ہوتے۔ مگر چونکہ حضرت عمر تو نبی نہیں۔ اس لئے اور بھی کوئی نبی نہیں ہو سکتا"

امید ہے کہ مولوی محمد علی صاحب غور فرمائیں گے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی۔ جو انھوں نے بہ تتبع غیر احمدیاں سمجھی ہے۔ تو پھر حدیث لو عاش ابراھیم لکان نبیا کے کیا معنے ہوئے جسے حضرت مسیح موعودؑ نے بھی صحیح مانا ہے۔ اگر لو کان بعدی نبی سے انقطاع نبوت یقینی تھا۔ تو پھر لکان نبیا سے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی نبوۃ کا امکان کیوں فرمایا۔

دوم۔ اگر لو کان بعدی نبی لکان عمر سے صرف حضرت عمر کی نبوت کا امکان نکلتا ہے۔ تو لو کان شئی سابق القدر (الحدیث) سے صرف نظر ہی سے تقدیر کے رد ہونے کا امکان نکلنا چاہیئے۔ حالانکہ حدیث لا یرد القضاء الا الدعاء بتا رہی ہے۔ کہ دعا ہی تقدیر کو رد کر سکتی ہے۔ نہ کوئی اور چیز۔ پس جیسے لو کان شئی سابق القدر لسبقتہ العین سے دوسری چیزوں کی (جو تقدیر کو رد کر سکتی ہیں۔) نفی نہیں نکلتی۔ اسیطرح لو کان بعدی نبی لکان عمر سے مسیح موعودؑ کی نبوت کی نفی نہیں نکل سکتی۔ کیونکہ اس کی صراحت دوسری احادیث میں خود نبی کریمؐ نے فرما دی ہے

سوم:۔ اگر لو کان بعدی نبی لکان عمر سے یہ بات نکلتی ہے کہ "اس امت میں نبی ہو ہی نہیں سکتا"۔ تو کیا وجہ کہ حدیث رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی منھم احد فعمر سے یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ کہ امت محمدیہ میں کوئی محدث بھی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ آپ کو بھی مسلم نہیں۔ پس جسطرح فان یکن فی امتی منھم احد فعمر امت محمدیہ میں محدث کے آنے کا مانع نہیں۔ اسی طرح لو کان بعدی نبی لکان عمر بھی امت محمدیہ میں کسی موعود نبی کے آنے کا مانع نہیں ہو سکتا"

تفصیل کے لئے ذیل میں وہ خط درج کیا جاتا ہے جو حدیث مندرجہ عنوان کے متعلق غیر احمدی دوست کو جواباً لکھا گیا کرم و معظم السلام علیکم جواباً مرقوم ہے کہ

۱۔ اول تو یہ حدیث غریب ہے۔ اور صرف مشرح بن ھاعان سے مروی ہے اور عقبہ بن عامر سے ان کے سوا کسی اور شخص نے اس حدیث "لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ" کو روایت نہیں کیا۔ مسند احمد وغیرہ میں بھی مشرح بن ھاعان ہی کی روایت ہے۔

۲۔ اگر حدیث لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ مطلقاً مانع نبوت ہوتی۔ تو آنحضرت صلعم اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کے حق میں یہ نہ فرماتے۔ لو عاش ابراھیمؑ لکان نبیا (اگر ابراہیم زندہ رہتا۔ تو ضرور نبی ہوتا)

۳۔ لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ کے اگر یہ معنے صحیح ہوتے جو کہ عام علماء بیان کرتے ہیں۔ تو چاہیئے تھا کہ بموجودگی حدیث[1] لو کان شئی سابق القدر لسبقتہ العین دوسری حدیث[2] لا یرد القدر

[1] اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی تو وہ نظر ہوتی۔ [2] تقدیر کو دعا کے

الا الدعاء وارد ہوتی۔ ہمارے نزدیک جسطرح یہ دونوں حدیثیں متعارض نہیں ہیں۔ اسی طرح لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ اور مسیح موعودؑ کی نبوت والی حدیثیں متعارض نہیں ہیں۔

۴۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بنی اسرائیل میں اگر ایک نبی فوت ہوتا تھا۔ تو دوسرا اسکا جانشین ہوتا تھا۔ جیسے کہ باب ماذکر عن بنی اسرائیل میں لکھا ہے۔ کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی وانہ لانبی بعدی وسیکون خلفاء۔ اس اعتبار سے ایک محمل لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ کا یہ ہوگا۔ کہ بعد وفات آنحضرت صلعم کے صحابہ میں اگر کوئی اس قسم کی نبوت کا حامل ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔ لیکن بوجہ قرب زمانہ نبوی کے کوئی نبی نہ ہوا اور ہماری یہ تعبیر اسی قبیل سے ہے۔ جیسی کہ ابن حجر نے فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۲ میں حدیث لم یبق من النبوۃ الا المبشرات کے نیچے لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ وکان السر فی ندرۃ الالہام فی زمانہ (صلعم) وکثرۃ من بعدہ غلبۃ الوحی الیہ (صلعم) فی الیقظۃ وارادۃ اظہار المعجزات فکان المناسب ان لا یقع لغیرہ منہ فی زمانہ شیئ فلما انقطع الوحی بموتہ وقع الالہام لمن اختصہ اللہ بہ للامن من اللبس فی ذالک" تغیر الفاظہم یہ کہتے ہیں۔ کہ بوجہ قرب زمانہ نبوی کے کسی اور نبی کی بعد وفات آنحضرت صلعم کے اس وقت ضرورت نہ تھی۔ اور لوکان نبی لکان عمرؓ میں اسی امر کا بیان فرمایا ہے۔

۵۔ بعدیت دو قسم ہے۔ ایک متصل دوسری منفصل لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ کا محمل بعدیت متصل ہے۔ نہ بعدیت منفصل۔ کیونکہ دوسری حدیثوں میں مسیح موعودؑ کو نبی اللہ فرمایا گیا ہے۔ جو آخری زمانہ میں آنے والا تھا۔

۶۔ جسطرح حدیث لم یبق من النبوۃ الا المبشرات[ف ۴] سے حدیث لقد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی منہم احد فعمر غلط نہیں ہوجاتی۔ باوجودیکہ جیسا کہ فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۲ اور فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۴۱ میں لکھا ہے۔ حدیث آخر الذکر سے امت محمدیہ میں کثیر التعداد محدثوں کا پیدا ہونا مسلم ہے۔ اسی طرح لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ کی حدیث مسیح موعودؑ کی نبوت کے معارض نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح لم یبق من النبوۃ الا المبشرات کا حصر بنظر آحاد وعوام المسلمین کے مانا جاتا ہے۔ اور دوسری حدیث کان یکن الخ کا مورد خواص امت بتلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ کی نسبت کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ اور اعتبار سے ہے۔ اور مسیح موعودؑ کی نبوت کا ہونا اور اعتبار سے ہے۔

۷۔ باقی نبوت تشریعی اور غیر تشریعی کی نسبت ہمارا جو مسلک ہے اسی کے موافق بعض اور اکابر نے بھی لکھا ہے چنانچہ شیخ اکبر فتوحات مکیہ جلد ثانی کے صفحہ ۶۴ میں ارقام فرماتے ہیں۔ فما ارتفعت النبوۃ بالکلیۃ[ف ۵]۔ لہذا قلنا ارتفعت نبوۃ التشریع وھذا معنی لانبی بعدہ۔ ہاں ایک بات اور یاد آئی۔ وہ یہ کہ:۔

۸۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۵ صفحہ ۵۳۹ میں ملا علی قاری لکھتے ہیں۔ کہ اس حدیث لوکان بعدی نبی لکان عمرؓ کے بعض طرق میں یہ بھی آیا ہے۔ لولم ابعث لبعثت یا عمر کہ اگر میں نبی نہ ہوتا۔ تو عمر نبی ہوتا۔ اس لحاظ سے لو کان بعدی نبی لکان عمر کے یہ معنے ہیں۔ کہ اگر میری بعثت کے باوجود بھی کوئی نبی ہوتا۔ تو عمرؓ ہوتے۔ لیکن چونکہ آپ کی بعثت کی موجودگی میں اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے بطور فضیلت کے بیان فرمایا۔ کہ اگر ایسا ہوتا۔ تو عمرؓ ہوتے اس معنے کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں آنحضرت صلعم نے فرمائی ہے۔ اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لانبی بعدی۔ اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو بمنزلہ ہارونؑ کے قرار دیا ہے[ف ۶] لیکن چونکہ ہارون موسیٰ کے ساتھ نبی بھی تھے

ف ۳۔ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں دوسروں کو الہام نہ ہونے اور آپ کے بعد بکثرت ہونے میں یہ ستر تھا۔ کہ نبی کریم صلعم کے معجزات اور غلبہ وحی کی موجودگی میں کسی دوسرے کے الہام کی ضرورت نہ تھی۔ پھر جب وحی منقطع ہو گئی۔ تو اللہ نے اپنے خاص بندوں کو اس انعام سے سرفراز فرمایا کیونکہ اب التباس کا کوئی خدشہ نہ تھا۔ (ترجمہ حدیث)

ف ۴۔ یہ گفتگو محدثین کے معانی کو قبول کرنے کی صورت میں ہے۔ گویا خصم کی بات کو مان کر اسی کے مسلمات کی بنا پر جواب دیا گیا ہے۔ وہ مبشرات سے مراد صرف رویا صالحہ لیتے ہیں۔ ہم ایک غیر احمدی کو جواب دے رہے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب خوش قسمتی سے ان کے شریک حال ہیں ۱۲۔

ف ۵۔ نبوت بالکلیہ مرتفع نہیں ہوئی۔ بلکہ صرف شریعت والی نبوت کا ارتفاع ہوا ہے ۱۲۔

ف ۶۔ آنحضرت صلعم غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے۔ اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا گئے۔ منافقوں نے حضرت علیؓ پر طعن کیا۔ اس پر حضرت علی مدینہ سے چلکر آنحضرت صلعم کے حضور پہنچے اور عرض کیا۔ کہ مجھ پر مدینہ کے لوگوں نے یہ طعن کیا ہے۔ حضور نے اس موقعہ پر یہ کلمات مندرجہ متن فرمائے۔ اب غور کرنا چاہیئے۔ کہ ہارونؑ کو موسیٰؑ سے کیا نسبت تھی۔ صاف ظاہر ہے کہ جیسے حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر گئے اور اپنے پیچھے ہارون کو اپنی واپسی تک خلیفہ بنا گئے۔ ایسے ہی یہاں آنحضرت مثیل موسیٰ نے حضرت علی کو اپنے آنے تک مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا۔ وجہ شبہ ایک خاص سفر میں خلیفہ مقرر کرنا ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں۔ کہ بعد وفات آنحضرت صلعم کے کوئی نبی نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسےٰ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ اس سفر میں علی خلیفہ ہیں۔ جیسے ہارون ایک سفر میں خلیفہ ہوئے تھے۔ ہاں ہارون نبی بھی تھے۔ مگر علیؓ نبی نہیں۔ اور یہ جو مولوی محمد علی صاحب نے النبوۃ فی الاسلام کے صفحہ ۱۱۳ پر بیان کیا ہے۔ کہ اس حدیث سے آنحضرت کے بعد غیر تشریعی نبوت کی نفی نکلتی ہے۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ معنے اس صورت میں نکل سکتے تھے۔ جب ہارون موسیٰ کے بعد زندہ رہے ہوتے۔ اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ کہ اس امت میں جس قسم کی نبوۃ مل سکتی ہے وہ حضرت علی کو ملی۔ کیونکہ اگر ایسی نبوۃ علیؓ کو ملی ہوتی۔ تو انہ لانبی بعدی کیوں فرمایا۔ لانبی بعدی سے تو معلوم ہی ہوتا ہے۔ کہ امر نبوت وجہ شبہ نہیں۔

اس لئے حضرت علیؓ کے حق میں استثناء فرمایا۔ الا انہ لا نبی بعدی۔ کہ میری بعثت کے بعد کسی کی نبوت نہیں بخلاف موسیٰؑ کے کہ ان کی بعثت کے بعد ان کے ساتھ ہارون بھی نبی بنائے گئے

۹۔ ایک اور بات جو صاحب فتح الباری نے شرح صحیح بخاری میں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں لکھی ہے۔ وہ یہ ہے مرقاۃ جلد۵ صفحہ ۵۳۹ ۔ میں لکھا ہے۔ وقیل ہو (فان یک فی امتی احد فہو عمر) علیٰ ظاہرہ (کھذا القول ورد مورد التردد) لان الحکمۃ فی کونہم (ای رجال یکلمون) فی بنی اسرائیل احتیاجہم الیٰ ذالک حیث لا یکون بینہم نبی وکیتہم طرأ علیہا التبدیل واحتمل عندہ صلعم ان لا تحتاج ھذہ الامۃ ذالک لاستغنائہا بالقران المامون تبدیلہ وتحریفہ ۔ اور فتح الباری جلد۷ صفحہ۴۲ میں لکھا ہے۔ وقیل الحکمۃ فیہ ان وجودھم فی بنی اسرائیل قد تحقق وقوعہ وسبب ذالک احتیاجہم حیث لا یکون حینئذ فیہم نبی واحتمل عندہ صلعم ان لا تحتاج ھذہ الامۃ الیٰ ذالک لاستغنائہا بالقران عن حدوث نبی۔ خلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ حدیث لقد کان فیمن قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن فی امتی منہم احد فعمرؓ میں جو الفاظ ان یکن فی امتی منہم احد فعمر بطور تردد کے آنحضرت صلعم نے فرمائے ہیں۔ تو احتمال ہے کہ خاطر اس امت کو بوجہ قرآن مجید کے محفوظ ہونے کے اس کی بھی

حاشیہ۔ بنی اسرائیل میں محدثوں کی اس لئے ضرورت تھی۔ کہ ان میں نبی نہ ہونے کی حالت میں کتابوں کی تحریف ہو گئی تھی۔ چونکہ قرآن میں تحریف وتبدیل کا احتمال نہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کو خیال ہوا۔ کہ میری امت کو محدثوں کی احتیاج نہیں ہو گی۔ پس بطور تردد فرمایا۔ کہ اگر کسی محدث کی ضرورت امت محمدیہ کے لئے ہوئی۔ تو وہ عمرؓ ہونگے ۔

(مترجم)

ضرورت نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں۔ کہ جسطرح ان دونوں بزرگوں نے حدیث مذکورہ کے معنے میں ایک قول یہ بیان کیا ہے جسکا ذکر ہوا۔ اسی طرح ممکن ہے۔ کہ حدیث لو کان بعدی نبی لکان عمر کے وقت بھی یہی احتمال ہو۔ کہ قرآن کی موجودگی میں کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ اور پھر اس کا ازالہ اس حدیث سے کیا گیا ہو۔ جو مسیح موعودؑ کے نبی اللہ ہو کر آنے کے متعلق وارد ہے۔ مگر یہ بات جو ہم نے کہی ہے۔ ایک احتمالی رنگ میں کہی ہے اور اسکا مبنی مرقاۃ اور فتح الباری کا وہ قول ہے۔ جو بعض سے منقول ہوا ہے ۔

۱۰۔ آخر میں لکھا جاتا ہے۔ کہ آپ کی سمجھ میں جو رائے قوی معلوم ہوتی ہو۔ اس کو لے لیں۔ اور دوسری باتوں کو چھوڑ دیں سے

وللناس فیما یعشقون مذاہب

وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ

خدا تعالیٰ نے کا اپنے مسیح کی جماعت سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اسکی جماعت کو اسکے منکروں پر ہمیشہ غالب رکھیگا۔ اس وعدہ کا ایفا ہم ہر میدان میں دیکھتے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک ابھی کل کا ذکر ہے کہ یہاں ایک اشتہار شائع ہوا جسمیں آریوں کی طرف سے دہرم پرچار پر چیلنج تھا۔ حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری نے اس چیلنج کو منظور کیا۔ اور جلسے پر دہان سے وقت مانگا۔ عین وقت پر انھوں نے انکار کیا۔ اور راہ فرار اختیار کی۔ حالانکہ ہم نے امن کے متعلق بھی اپنی ہی ذمہ داری دینی چاہی۔ اسکے بعد جلسہ میں ایک صاحب پریم نام نے (جو پیسہ اخبار میں کام کرتے ہیں) لکچر دیا۔ جس کا عنوان تھا ویدک دہرم کی خوبیاں ہماریہ تو صرف اعتراض کرنا جانتے ہیں اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنا ایک عجیب بات تھی۔ تاہم یہ بھی احمدیت کی فتح کی ایک دلیل تھی۔ کہ جس اصل کی طرف ہمارے امام نے ان لوگوں کو بلایا آخر انہیں اسطرف توجہ کرنی پڑی۔ گویا دل ناخواستہ اور ناکامی کے یقین کی وجہ بیدلی کے ساتھ۔ پریم صاحب نے بڑی بھاری خوبیاں یہ بتائیں کہ ویدک دہرم خود اعتباری سکھاتا ہے۔ ہر وقت زبان تیری اچھیا پورن ہو کہلاتا ہے۔ تمام انسانوں اور حیوانوں سے پیار کراتا ہے ابتدا میں سورہ فاتحہ پڑھکر اسکا ترجمہ کیا تا یہ ظاہر ہو کہ میں قرآن بھی جانتا ہوں مگر یہاں اس غلط فہمی میں کوئی مبتلا نہیں ہو سکتا تھا۔ خود اعتباری جس حد تک انسانی قویٰ کے مناسب حال ہے۔ وہ تو اسلام میں سب مذاہب سے بڑھکر ہے۔ اور اہر دوم تو ایک معمولی سے معمولی مسلم کی ابتدائی حالت ہے۔ اللہم بالرفیق الاعلیٰ کے اعلیٰ مقام سے معترض ناآشنا محض تھا۔ اور امر سوم جو گوشت خوری کے متعلق تھا۔ اسکا نشانہ سب سے پہلے انکے ہم خیالوں میں سے ہی کئی تھے خیر لکچر کے بعد انہیں لکھا گیا کہ آپنے اہل اسلام سے بہت سے مطالبات کئے ہیں۔ ان کا جواب سن لیجئے سٹیج پر تو کسی احمدی کا بولنا ان لوگوں کے بدن پر رعشہ ڈالتا تھا۔ اسکے بعد پریم صاحب نے کہا چلئے میں آپکے مکان پر چلتا ہوں۔ اور جو کچھ آپ کہیں میں سنتا ہوں مسجد اقصیٰ میں بعد نماز مغرب مجمع ہوا جہاں حافظ روشن علی صاحب سے انکی گفتگو ہوئی۔ پریم صاحب نے کہا روح قدیم ہے حافظ صاحب نے پوچھا جس رب کی طرف سے آپ کلام کرتے ہیں اسکی الہٰی کتاب میں یہ دعویٰ دکھلایئے اور پھر اسی سے دلیل بھی دیجئے۔ پریم صاحب نے حوالہ دینے سے مجبور ظاہر کی صبح کا وعدہ کیا اور دلیل کے بارہ میں کہا۔ دید آفتاب کے اسکا وجود ہی دلیل ہے حافظ صاحب نے کہا ہم تو یہی کہتے ہیں کہ آفتاب ہی کی روشنی اس مسئلہ پر ڈالئے اپنی مصنوعی روشنی نہ دکھلایئے سنئے میں قرآن مجید ہی سے دعویٰ پیش کرتا ہوں۔ اور اسی سے دلیل دیتا ہوں۔ اللہ خالق کل شئی وھو الواحد القہار۔ اللہ ہر چیز کا خالق ہے روحوں کا بھی روح کا بھی یہ دعویٰ ہے۔ دلیل یہ دی کہ روحوں کا پیدا نہ کرنا دو صورتوں میں ہو سکتا ہے یہ بات انکی قدرت میں نہو اسکا جواب دیا کہ وہ قہار ہے روحوں کے پیدا کرنے کا کمال اسمیں موجود ہے یا کوئی اور خدا ہو جو رحیم وہ خدا کرتا ہو فرمایا وہ واحد ہے پس خلق ارواح بھی اسکی کام ہے پریم صاحب نے کہا۔ پرمیشر کئی کاموں پر قادر نہیں بلکہ قدرت نہ رکھنا اسکے قادر مطلق ہونے کے منافی نہیں۔ مثلاً راجہ پٹیالہ ایک شخص کو اپنی رعایا سے بدر کر سکتا ہے جبکہ وہ اسے ناپسند کرے۔ مگر خدا اپنی مملکت سے باہر کسی کو نہیں نکال سکتا۔ حافظ صاحب نے کہا غور کیجئے راجہ پٹیالہ نکالتا ہے تو اس لئے کہ وہ اس مجرم کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ اور اس لئے کہ اس ریاست کے بدوں کوئی اور سلطنت بھی ہے مگر خدا تعالیٰ کی مملکت کے سوا کوئی اور سلطنت بھی ہو یا وہ کسی مجرم کی اصلاح نہ کر سکے۔ تو یہ اسکے لئے نقص کی بات ہے پس جو کام اسکی ذات میں نقص کا موجب ہے وہ نہیں کرتا آپ ثابت کریں کہ روحوں کا پیدا کرنا بھی نشان کمال نہیں بلکہ ایک بھاری نقص اور کمزوری ہے پریم صاحب گھبرا گئے تو کہا ایسی بھی مثال دیتا ہوں جو نہ انسان کر سکے نہ خدا۔ شلوکا اور شلوکا کو ایشور ایک نہیں کر سکتا نہ کوئی انسان ایسا کر سکتا ہے حافظ صاحب نے کہا سنئے شلوکا شلوکا ہے شلوکا اسکے بعد سال آیا ہے یہ دونوں واقعات ہیں اب انکو ایک کرنا جھوٹ ہے اور جھوٹ ایک عیب ہے جس خدا کی شان اعلیٰ ارفع ہے پریم صاحب بالکل ہی رہ گئے اور

خطبۂ جمعہ

ہر ایک بات میں حضرت مسیح موعودؑ کو حَکَم مانو

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۲۶ فروری ۱۹۱۶ء

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (۴-۶۸)

کام شروع کرنے سے پہلے اس کا ذریعہ حصول اور فائدہ سوچ لو

ہر ایک دانا انسان جب کوئی کام کرنے لگتا ہے تو پہلے اس کام کے کئی ایک پہلوؤں پر غور کر لیتا ہے یعنی اس کے نتیجہ اور انجام کو دیکھتا ہے۔ پھر اس کی خوبی اور عمدگی کو دیکھتا ہے۔ پھر ان ذرائع پر غور کرتا ہے۔ جن کی وجہ سے وہ اس کام کے پورا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ ان باتوں کو سوچے سمجھے بغیر کوئی کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اکثر درمیان میں ہی ٹھوکر کھا کے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ جب تک کوئی مقصد مقرر نہ ہو۔ مقصود کے حاصل کرنے کے ذرائع مقرر اور معین نہ ہوں۔ اس کے فوائد اور نتائج دل میں مستحضر نہ ہوں۔ تب تک انسان کبھی بھی اطمینان اور تسلی سے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اور اگر کریگا۔ تو اس کا حال ایک اندھے کی طرح ہوگا۔ جو ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ اور دھکا لگنے سے کبھی ادھر لڑھک جاتا ہے۔ اور کبھی ادھر پس ہر ایک وہ شخص جو یہ چاہتا ہے۔ کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو اور اپنے مدعا کو حاصل کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اپنی کوشش اور محنت کے شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھ لے۔ کہ اس مدعا کے حاصل کرنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ اور میرے لئے کیا نتیجہ مرتب ہوگا ساتھ ہی اسکے حصول کے ذرائع کو معلوم کرے۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اور ان کو جمع کرے۔ اگر کوئی ان باتوں پر غور کر کے پھر اپنی محنت اور کوشش کا آغاز کرے۔ اور اس پر استقلال دکھائے۔ تو وہ ضرور کامیاب ہو جاتا ہے۔

مقصد مقرر نہ کرنے سے محنت رائیگان جاتی ہے

ہزاروں نہیں۔ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں انسان ایسے ہیں۔ کہ عبادتیں کرتے ہیں محنتیں مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔ دکھ اور تکلیفیں جھیلتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ ہم کیوں عبادتیں کرتے ہیں۔ ان سے کیا مقصد اور مدعا ہے۔ ان کا کیا نتیجہ نکلنا چاہیئے۔ یہ لوگ تو اتنا بھی نہیں جانتے۔ کہ ہمیں عبادت کس طرح کرنی چاہیئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ ایسے لوگ شروع سے غلطی میں پڑتے ہیں۔ اور اس غلطی پر مر جاتے ہیں۔ لیکن انہیں پتہ ہی نہیں لگتا۔ کہ ہم غلطی کر رہے ہیں۔ کیوں اس لئے کہ انہیں اپنی عبادت اور ریاضت کے نتیجہ کا علم اور پتہ ہی نہیں ہوتا اور وہ نہیں جانتے۔ کہ ہمیں کیا ملنا چاہیئے۔ اور ہم کس چیز کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے اگر ان کو عبادت اور بندگی کر کوئی نتیجہ نہیں حاصل ہوتا۔ تو وہ گھبراتے نہیں۔ اور نہ ہی اپنے دل میں فکر اور تردد محسوس کرتے ہیں۔ اگر انہیں خدا کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی مدد اور نصرت نہیں ملتی۔ اس کی طرف سے تسلی تشفی نہیں ہوتی۔ تو ان کے دل میں کرب اور تکلیف نہیں پیدا ہوتی۔ کیوں اس لئے کہ انہوں نے کبھی اس بات پر غور ہی نہیں کیا۔ کہ سچی عبادت کا کیا نتیجہ ہوتا ہے اور اس سے کس طرح تسلی اور تشفی حاصل ہوتی ہے۔ اور کس طرح اس کی مدد و نصرت ملتی ہے۔ چونکہ اس بات کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے ساری عمر عبادت کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ سمجھ نہیں آتا۔ کہ ہم غلط عبادت کر رہے ہیں۔ دیکھو ایک شخص ہندوؤں میں پیدا ہوتا ہے۔ ساری عمر عبادت میں گذار دیتا ہے بیسیوں بری خواہشوں کو دباتا ہے۔ اور بیسیوں برے ارادوں سے باز رہتا ہے قسم قسم کے جذبات کو قابو میں رکھکر تپسیا کرتا ہے۔ اور اسی حالت میں مر جاتا ہے۔ لیکن اسے کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا۔ کہ جو کوشش اور محنت میں کر رہا ہوں۔ یہ ٹھیک اور درست نہیں ہے۔ اس لئے مجھے کوئی اور طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ اور اسے کیونکر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ جانتا ہی نہیں۔ کہ مجھے اس عبادت کے نتیجہ میں کیا حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ کیا مقصد اور مدعا ہے جس کے حصول کے لئے میں یہ کوشش کر رہا ہوں۔

مدعا اور مقصد سمجھکر عبادت کرنے سے مذہب میں ایک انقلاب آجائے

اگر دنیا میں لوگ اپنے مدعا اور مقصد کو سمجھکر عبادت کریں۔ تو ایک انقلاب آجائے۔ اور کروڑوں انسان مذاہب کی تحقیقات پر لگ جائیں۔ موجودہ صورت میں جو ضد۔ ہٹ اور اختلاف اور اصرار ہے اس لئے ہے کہ لوگوں نے مذہب کی غرض عبادت کے ذرائع اور اس کے فوائد پر غور نہیں کیا جس طرح ماں باپ کو کرتے دیکھا۔ اسی طرح کرنے لگ گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انہیں اپنے اپنے مذہب کی تحقیق اور تنقید کی طرف توجہ نہ رہی۔ لیکن جب کسی کے پیش نظر عبادت کا مقصد اور اس کے ذرائع کا حاصل کرنا ہوگا۔ تو وہ ضرور مذاہب کی تحقیق کی کوشش اور سعی کریگا۔

اس حقیقت کا اظہار ایک مثال سے

مثلاً ایک شخص نیت کرتا ہے کہ میں بٹالہ جاؤنگا۔ اب فرض کرو۔ کہ وہ یہاں سے مشرق کی طرف چل پڑا۔ اور سری گوبندپور پہنچ گیا۔ وہاں جا کر جب وہ پوچھیگا۔ کہ اس شہر کا کیا نام ہے۔ تو اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ تو سری گوبندپور ہے۔ اور مجھے بٹالہ جانا ہے۔ مجھے اس طرف نہیں آنا چاہیئے تھا۔ پھر وہ اور طرف پلٹیگا۔ اور اگر اسے دس گیارہ میل چلکر کوئی شہر دکھائی نہ دیگا۔ تو اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ میں غلط راستہ پر چل رہا ہوں۔ کیونکہ قادیان سے بٹالہ اتنی ہی دور ہے۔ لیکن اب تک نہیں آیا۔ اس لئے پتہ لگا۔ کہ میں کسی اور راستہ پڑ گیا ہوں۔ اب پھر وہ اور

طرف چلیگا۔ اور خواہ اسے کتنے ہی چکر کاٹنے پڑیں۔ تاہم وہ بٹالہ پہنچ جائیگا۔ کیونکہ اس کا ارادہ یہ ہے۔ کہ بٹالہ پہنچے۔ لیکن جس کی کوئی نیت اور ارادہ ہی نہ ہو۔ کہ مجھے کہاں پہنچنا ہے۔ اس کی مثال اسی طرح کی ہے۔ کہ ایک انسان گھر سے نکلکر اندھادھند جدھر منہ کیا ادھر ہی چل پڑا یہ اگر پچاس سو میل بھی چلتا جائے۔ تو بھی اسے کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوگا۔ کہ میں غلط راستہ پر چل رہا ہوں اگر وہ جنگلوں اور وحشی جانوروں کی طرف جا رہا ہے۔ تو اسے خیال نہیں۔ اور اگر شہروں اور باغوں کی طرف جا رہا ہے تو اسے توجہ نہیں۔ کیوں۔ اس لئے کہ اس نے یہ سمجھا ہی نہیں۔ کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اور کیوں جا رہا ہوں۔ اور مجھے کس طرح جانا چاہئے۔ لیکن جب انسان اس بات پر غور کرے۔ کہ میرا کیا مدعا کیا مقصد اور کیا غرض ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے کے لئے کیا ذرائع اور کیا سامان ہیں۔ تو وہ اگر غلطی بھی کرے۔ تو جلدی متنبہ ہو جاتا ہے۔ اور اصلاح کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اس آیت میں حصول قرب الٰہی کا ذریعہ بتایا گیا ہے

میں نے جو یہ آیت پڑھی ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے قرب کے حاصل ہونے اور اپنے پاس کسی بندہ کے درجہ حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ فرمایا۔ لوگ اس بات کی بہت خواہش کرتے ہیں کہ خدا کا قرب حاصل ہو جائے۔ ایمان نصیب ہو جائے (ایمان ان عقائد کا نام ہے۔ جن کے تسلیم کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا اور ہر قسم کے دکھ اور تکالیف سے بچ جاتا ہے) ایسے لوگوں کو بتا فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما کہ تیرے رب کی قسم یہ ایمان کو اس وقت تک نہیں پا سکینگے حتی یحکموک فیما شجر بینہم یہاں تک کہ جتنے اختلافات ان کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ انکو تیری طرف نہ لوٹائیں۔ اور اپنی مرضیوں کے ماتحت نہ رکھیں۔ بلکہ ہر ایک اختلاف کو تیری طرف لائیں ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت پھر جو تیرا فیصلہ ہو۔ اس کے قبول کرنے میں ان کے دل تنگی محسوس نہ کریں۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو فیصلہ کو قبول تو کر لیتے ہیں۔ مگر ان کے دل اس پر راضی نہیں ہوتے مثلاً ایک عدالت فیصلہ کرتی ہے۔ کہ فلاں باغ یا فلاں مکان یا اتنا روپیہ فلاں کو دیا جائے۔ اب دینے والے کو یہ برا تو لگتا ہے۔ اور نہیں چاہتا۔ کہ دیوے۔ اور لینے والا سمجھتا ہے۔ کہ مجھے کم دلایا گیا ہے۔ جتنا میرا حق تھا اتنا نہیں ملا۔ لیکن وہ فیصلہ دونوں کو ماننا پڑتا ہے۔ اور گورنمنٹ ان کے اس طرح عمل کرنے سے خوش ہو جاتی ہے۔ اور یہ نہیں کہتی۔ کہ تم اس فیصلہ کے نفاذ سے دل میں کیوں برا مناتے ہو۔ اس لئے اگر کوئی دل میں ناراض اور ناخوش ہو تو گورنمنٹ اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کرتی لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے جو حکم بنا کر بھیجا ہے۔ اس کی وہ عزت اور وہ شان ہے۔ کہ اگر اس کے فیصلہ کو تم مان تو لو۔ مگر دل میں برا سمجھو گے۔ تو ہم تمہیں اپنا قرب نہیں دینگے۔ اور تم ایمان حاصل نہیں کر سکو گے۔ اس کے فیصلہ کو تو تمہیں اس طرح ماننا چاہئے۔ کہ تمہارے دل بھی غمگین نہ ہوں۔ اور ذرا بھی تنگی محسوس نہ کریں۔ تم یہ یقین کر لو۔ کہ اس نے جو بھی فیصلہ کیا ہے۔ وہی حق اور درست ہے۔ اور اسی طرح ہونا چاہئے تھا۔ اور یہ بات نہ صرف تمہارے مونہوں سے نکلے۔ بلکہ تمہارے دل میں بھی یہی بات ہو۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو منہ سے تو کہتے ہیں۔ کہ یہ بات درست ہے۔ مگر ان کے دل نہیں مانتے۔ اس لئے اس پر عمل نہیں کرتے۔ اسی بات کے دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے یہاں دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے کسی فیصلہ سے تمہارے دلوں میں تنگی محسوس نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ تم اس کی فرمانبرداری بھی کر کے دکھلاؤ۔

قرب الٰہی نبیٔ وقت کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے

یہ وہ ذریعہ ہے۔ جو خدا کے قرب کو حاصل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت فرمایا۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی خدا کا نبی ہے۔ اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جو نبی آتا ہے اس کا فیصلہ اسی کے مطابق ان لوگوں کو ماننا ضروری ہے جو اس کو قبول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کئی جگہ لکھا ہے۔ کہ جو کوئی میری بیعت کرتا ہے۔ اور مجھے سچا سمجھتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ میرے فیصلوں اور حکموں کو بھی مانے۔ ورنہ وہ میری بیعت میں داخل نہیں ہے (مفہوم) پس یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خاص نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک رسول سے تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ کہ کوئی رسول نہیں بھیجا جاتا مگر اس لئے کہ اس زمانہ کے لوگ اس کی اطاعت کریں۔ اور اگر کوئی اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ تو وہ مومن نہیں ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کی طرف سے جو فیصلہ ہو۔ اس کو خوشی سے قبول کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی اسے خوشی سے قبول نہیں کرتا۔ تو وہ مومن نہیں ہے۔

یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہم میں ایک صاحب وحی حکم بھیجدیا ہے

بظاہر تو یہ بڑی مشکل بات معلوم ہوتی ہوگی کہ کس طرح ایک انسان کے ہر ایک فیصلہ کو اس طرح قبول کیا جائے۔ کہ اس کے متعلق دل میں بھی ذرا تنگی محسوس نہ ہو۔ اور کسی قسم کی ناخوشی نہ ہو۔ مگر میرے نزدیک یہ ایک بہت بڑی رحمت ہے۔ دنیا میں لوگ بڑے بڑے لوگوں کے فیصلے مانتے ہیں۔ اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہمارا فیصلہ کوئی بڑا عقلمند اور دانا کرے۔ خدا تعالیٰ نے یہ فرما کر بتا دیا۔ کہ اے لوگو ہم تمہارے لئے اس مصیبت اور تکلیف کو باقی نہیں چھوڑتے۔ کہ تم اپنے فیصلوں کے لئے انسانوں کو ڈھونڈتے پھرو۔ اور پھر بھی حسب دلخواہ نہیں ملیں۔ ہم خود ایک انسان کو مقرر کر دیتے ہیں۔ جو تمہارے فیصلے کر دیگا۔ پس خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی ایسے انسان کا مقرر ہونا کوئی تکلیف دینا نہیں۔ بلکہ رحمت برسانا ہے اور غلامی کرانا نہیں۔ بلکہ حریت پیدا کرنا ہے۔ پابندی کرانا نہیں بلکہ آزادی دلانا ہے۔ کیونکہ ایک نبی کے ماننے والے کو یہ ضرورت نہیں رہتی۔ کہ وہ کسی بات کے متعلق فیصلہ کرانے کے لئے کسی منصف کی تلاش میں نکلے۔ بلکہ وہ ہر ایک بات کا فیصلہ خواہ وہ اعمال سے متعلق ہو

یا افعال سے خواہ انتظامی امور سے تعلق رکھتی ہو۔ خواہ جسمانی سے خواہ ایمان سے تعلق رکھتی ہو خواہ اعتقاد سے وہ رسول کر دیتا ہے۔ اب اسے کسی اور کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن بہت لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اس بات کو سمجھا نہیں ہوتا۔ اس لئے ٹھوکر کھاتے ہیں بہت لوگ ہیں۔

امور متنازعہ میں مسیح موعود کا قول فیصلہ کن ہے

سمجھتے ہیں۔ کہ ہمیں سمجھ آگئی ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب سچے تھے لیکن لاہوری ان کے متعلق کچھ اور کہتے ہیں۔ اور تم کچھ اور ہم کس کی بات کو مانیں اور کس کی بات کو نہ مانیں۔ میں ایسے لوگوں کو کہتا ہوں۔ کہ تم قرآن شریف کو قبول کرو۔ سلسلہ احمدیہ کے انتظام کے لئے پہلے حضرت مولوی صاحب تھے۔ اور اب میں ہوں۔ یہ کبھی مولوی صاحب نے کہا ہے۔ اور نہ میں کہتا ہوں۔ کہ عقائد احمدیت اس لئے قبول کرو۔ کہ میں کہتا ہوں۔ عقائد تو وہی ہیں۔ جو حضرت مرزا صاحب مقرر فرما گئے ہیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ اگر ہماری کوئی بات سچی ہے۔ تو اسے قبول کرلو۔ ورنہ غلط قرار دیکر چھوڑ دو۔ پس تمام باتوں کے فیصلہ کا ایک ہی طریق ہے۔ اور وہ یہ کہ جو بات حضرت مسیح موعود نے فرمائی ہے۔ اسے قبول کرو۔ اور جو اس کے خلاف ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ فلاں شخص اتنی مدت حضرت صاحب کی صحبت میں رہا ہے اس نے فلاں بات کہی ہے۔ اکمل نے یہ لکھا ہے۔ قاسم نے یہ کہا ہے۔ فلاں ایڈیٹر نے یہ کہا ہے۔ فلاں ایم اے یہ کہتا ہے ہم کس کی مانیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ ہر ایک اختلاف کی بنا ہمیشہ سے اسی بات پر رکھی گئی ہے۔ کہ ان لوگوں کی باتوں اور رایوں کو سامنے رکھا جاتا ہے جو کسی بات کے متعلق فیصلہ دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اور ان کی بات کے پیچھے چلا جاتا ہے۔ جو ٹھوکر کا باعث ہوتے ہیں اس ٹھوکر سے بچنے کا طریق یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو مامور کیا گیا ہے۔ اس کی بات کو قبول کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ خواہ کوئی بڑا ہو۔ یا چھوٹا اس کی بات اگر اس مامور من اللہ کی بات کے مطابق ہے۔ تو اسے قبول کرلو۔ اور اگر اس کے خلاف ہے۔ تو پھینک دو۔

مسیح موعود کا فیصلہ قرآن و حدیث کا فیصلہ ہے

حضرت مسیح موعود کے فیصلہ کو ماننے سے اصل میں قرآن اور حدیث کے فیصلہ کو مانا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ قرآن اور حدیث کو رد کرنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ بلکہ ان کے اصل اور درست معنی بیان کرنے کے لئے آئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن کی تفسیر کی ہے۔ وہ حدیث ہے اور ایک تفسیر قرآن کریم کے الفاظ سے سمجھ میں آتی ہے۔ اور یہ تفسیر وہی سب سے زیادہ سمجھ سکتا ہے جس کو خدا تعالیٰ خود سمجھائے اور پھر اس سے بڑھکر اور کون سمجھ سکتا ہے جس پر قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل آپ کی سنت اور عمل قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ لیکن آپ کے بعد جب زمانہ گذرتا گیا۔ تو لوگوں نے اپنے اپنے عقل اور فہم کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنی شروع کر دی۔ اس لئے اختلاف پڑنے شروع ہو گئے۔ اور ہزارہا اختلاف پڑ گئے اب ہر ایک مومن کے لئے مشکل ہو گیا کہ وہ کس بات کو غلط قرار دے۔ اور کس کو مانے۔ اکثر لوگ چونکہ خیالات کے پابند ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا۔ کہ انہیں غلط خیالات سے ہٹاکر حقیقت اور اصلیت کی طرف لانے والا کوئی پیدا ہو۔ وہ حضرت مسیح موعود پیدا ہوئے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یحکم وک۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مسیح موعود حکم ہوگا۔ یعنی اس لئے مبعوث کیا جائیگا کہ جو اختلافات پڑ گئے ہونگے۔ اس کے ذریعہ دور ہو کر سب لوگ دین پر ایک جمع ہو سکینگے۔ اور قرآن کی اپنی عقل کے مطابق جو لوگوں نے تفسیریں کرکے اختلاف ڈال دیے ہیں۔ وہ صحیح اور درست تفسیر کرکے ان کو دور کر دیگا۔ پس ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس لئے نہیں مانتے۔ اور دوسروں کو منواتے کہ آپ قرآن کو منسوخ کرکے کوئی اور شریعت لائے تھے بلکہ اس لئے کہ آپ قرآن کریم کی سچی اور درست تفسیر کرنے والے تھے۔ اسی طرح قرآن شریف کو ہم اس لئے نہیں مانتے اور دوسروں سے منواتے۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ پس ہر ایک بات اور اختلاف کا فیصلہ خدا تعالیٰ کا کلام ہی کر سکتا ہے۔ اور وہی کرتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا کلام اس سے بڑھکر اور کون سمجھ سکتا ہے جس پر کہ وہ نازل ہوا۔ اور پھر اس سے بڑھکر زیادہ اور کون سمجھ سکتا ہے۔ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے باپ کا نام اس کے باپ کا نام۔ اور میری ماں کا نام اس کی ماں کا نام ہوگا۔ اور میری ہی قبر میں دفن کیا جائیگا۔ اس سے زیادہ اور کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا قرب ہو سکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ کسی کا کیا حق ہے۔ کہ قرآن کو سمجھ سکے پس حضرت مسیح موعود سب سے بڑھکر قرآن کو سمجھنے والے تھے۔ اور خدا نے انہیں سمجھایا تھا۔ اس لئے جو فیصلہ انہوں نے کر دیا۔ وہی فیصلہ درست اور صحیح ہے۔

مسیح موعود کا درجہ

ہماری جماعت پر تو خدا کا بڑا ہی فضل اور کرم ہے۔ زید اور بکر کو ٹھوکر لگ سکتی ہے مگر ہماری جماعت کو نہیں لگ سکتی۔ کیونکہ ان کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔ مگر ہمارے لئے حضرت مسیح موعود حکم ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود خدا تعالیٰ کے کلام کے مطابق فیصلہ کر گئے ہیں۔ کیونکہ خدا ہی نے انہیں حکم قرار دیا ہے۔ اور پھر سب کا مطاع ٹھہرایا ہے۔ آپ کے سوا اور کون ہے۔ جس کی نسبت حکم اور عدل کہا گیا ہو۔ اور جس کی نسبت خدا نے کہا ہو کہ اس کے فیصلے صحیح اور درست ہیں۔ پھر آپ کے سوا اور کون ہے۔ جس نے دعویٰ کیا ہو۔ کہ میں اس گروہ میں سے ہوں جسکو خدا تعالیٰ مرنے تک کسی اجتہادی غلطی پر نہیں رہنے دیتا۔ اور پھر آپ کے سوا اور کون ہے جسکی نصرت اور تائید خدا تعالیٰ نے کی۔ اور جس کی صداقت کو ظاہر کر دیا کوئی نہیں۔ پس جب السلطان ایک ہی ہے۔ اور وہ ایک حضرت مسیح موعود ہے۔ تو ہم اس کے ہوتے ہوئے اور کسی کی بات کو کیوں مانیں۔ اس بات کو یاد رکھو اور خوب یاد رکھو۔ کہ تم لوگ ہر ایک بات میں حضرت مسیح موعود کا فیصلہ مانو۔ جو اس لئے آیا تھا۔ کہ اختلافات کو مٹائے۔ اور تمام اختلافی باتوں کا فیصلہ کر دے اور یہ وہ عظیم الشان انسان ہے۔ جس کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے۔ رسول کریم صلعم نے خبر دی ہے پہلے تمام نبیوں نے خبر دی ہے۔ پس یہی وہ انسان ہے۔ جس کا ہر ایک فیصلہ بلا چون و چرا کے مان لینا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے اور واقعی سچا ہے۔ تو اس کا ہر ایک فیصلہ اور ہر ایک بات سچی ہے۔ اور جب ہر ایک بات سچی ہے۔ تو اس کے ماننے میں کیا انکار ہو سکتا ہے

اس مسیح موعود کا دامن پکڑو

پس اگر ہمارے اس سلسلہ میں داخل ہونے کی اور اس بوجھ کو اپنے سر پر لینے کی یہ غرض ہے کہ ہمیں ایمان حاصل ہو جائے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اس کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ خدا کے رسول کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں پر رکھو اور اگر یہ نہیں بلکہ تم زید و بکر کی باتوں کے ماننے والے ہو اور ان کے پیچھے چلنے والے ہو۔ تو تمہیں سوائے ضلالت اور ہلاکت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئیگا جسے اپنے ایمان کی ضرورت ہے اور جو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے تصور میں اس بات کو لائے۔ کہ کیا جبکہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کو رد کرتا ہے تو

کامیاب ہو سکیگا۔ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ نے تمام عقائد کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیصلہ پر رکھی ہے۔ اگر تم آپکے فیصلہ کو مانوگے۔ توکوئی وجہ نہیں۔ کہ تمہیں ٹھوکر لگے۔ زید کھڑا ہے۔ یا گرے۔ بکر کھڑا ہے یا گرے۔ مگر تم کھڑے رہوگے کیونکہ مسیح موعود کھڑا ہے۔ اور کھڑی چیز کو پکڑنے والا نہیں گرتا۔ بلکہ جو گرنے والی چیز کو پکڑتا ہے۔ وہ گرتا ہے۔ جس شخص کو خدا نے سہارا دیکر کھڑا کیا ہے۔ وہ نہیں گرسکتا کیونکہ خدا نہیں گرتا۔ پس تمہیں اسی کے سہارے کھڑا ہونا چاہئیے جو ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا ہے۔ اور اسی کی ہر ایک بات ماننی چاہئیے۔ حضرت مسیح موعود وہی کہتا ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اور رسول کریم نے وہی کہا۔ جو خدا تعالیٰ نے انہیں کہا۔ اور خدا تعالیٰ غلطی نہیں کرتا کیونکہ وہ علیم اور خبیر ہے ہر ایک بات کا علم رکھتا ہے۔ اور ہر ایک بات کو جانتا ہے۔ اس لئے مسیح موعود ہی کی بات ایسی ہے۔ جو بلاچون وچرا ماننے کے قابل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو اس بات کی سمجھ دے۔ کہ وہ عقائد میں حضرت مسیح موعود کے اقوال وافعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور قرآن کریم پر ہوں۔ نہ کہ کسی اور انسان کے اقوال پر۔ کیونکہ اس طرح ٹھوکر لگتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ بعض لوگوں کی سمجھ اور عقل دوسروں سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ مگر وہ ایسے انسان نہیں کہے جا سکتے جو غلطی نہ کرتے ہوں۔ یا نہ کرسکتے ہوں۔ اور بالکل پاک ہوں۔ امام مالک امام حنبل امام شافعی کا اسلام میں بہت بڑا درجہ ہے۔ اور واقعہ میں وہ اسی قابل ہیں۔ لیکن بعض باتیں ایک نے کہی ہیں جن میں نقص ہے۔ لیکن دوسرے نے اسکو تو درست سمجھا ہے۔ مگر کسی اور بات میں غلطی کر گیا ہے۔ اسیطرح بعض کی کوئی بات غلط ہے۔ اور بعض کی کوئی۔ تو تمام اقوال اور افعال صرف خدا کے ماموروں کے ہی درست ہوتے ہیں۔ ان کے سوا اور کسی کے نہیں ہوتے اس لئے ایمانیات کی بنیاد مامور من اللہ کے اقوال پر ہی ہونی چاہئیے خدا تعالیٰ ہمارے اعتقادات کو اپنی مرضی کے مطابق درست رکھے۔ تا ہم ٹھوکر نہ کھائیں۔ اور ہمارے قدم ایسی مضبوط چٹان پر قائم ہوں۔ کہ جہاں سے کبھی نہ ہل سکیں۔

قادیان کے آریہ اور ہم

آیت دار کو آریہ لیکچراروں نے باوجود دیہ جاننے کے کہ ہمارے مقابل احمدی مسلمان ہیں ان معتقدات ومعانی قرآن مجید کو پیش کرکے اعتراضات کئے جن کے ہم قائل نہیں۔ اور اسلام کے بزور شمشیر پھیلنے کا ادعا رباطل اور ہمچو چشم اکاذیب کو ہماری طرف منسوب کرتے ہوئے اور ان پر ہنسی اڑاتے ہوئے دل آزاری کی۔ پریم صاحب اپنا وعدہ ایفا نہ کرسکے۔ اور وید سے روح کی قدامت نہ دکھائی۔ البتہ قربانی کی تردید میں ایک نبی کا قصہ بیان کیا۔ کہ بکری کی خدمت کے عوض اسے پیغمبری مل گئی۔ اور کہا کہ یہ مشکوۃ میں لکھا ہے۔ اور میں دکھا سکتا ہوں جب دوسری بات شروع کردی تو انہیں یاد دلایا گیا۔ کہ مہربانی فرماکر حوالہ دیں۔ پریم صاحب نے بڑے زور سے کہا۔ کوئی میرے سامنے اگر دعویٰ کرے اور کہے کہ یہ مشکوۃ میں نہیں۔ پھر میرا اس سٹیج سے اترنا اور قادیان سے جانا حرام ہے جب تک حوالہ نہ دکھا کر جاؤں۔ اور کہا کہ میں مولوی ثناء اللہ کے سامنے مباحثہ میں تین بار یہ حدیث پیش کر چکا ہوں اس نے انکار نہیں کیا۔ ایک دوست نے بڑھکر کہا میں دعویٰ کرتا ہوں کہ مشکوۃ میں آپ دکھائیں۔ اس پر پریم صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔ اور کہا کہ میرے پاس مشکوۃ نہیں۔ عربی مشکوۃ لائی گئی کہا مجھے صفحہ یاد نہیں۔ پھر کہا میں نے اردو ترجمہ دیکھا تھا۔ مطالبہ کیا گیا کہ اچھا ترجمہ ہی دکھاؤ۔ یہ بھی نہ ہوسکا۔ تو سخت ندامت اٹھانی پڑی اور اس بھری مجلس میں کھڑے ہوکر اقرار کرنا پڑا کہ میں نے عربی مشکوۃ نہ پڑھی ہے نہ دیکھی ہے۔ میں نے ایک اردو ترجمہ میں یہ الفاظ دیکھے تھے۔ اس ناکامی پر اس جلسہ کا خاتمہ ہو۔ رات کو پختہ بازار کے چوک میں جہاں پیشتر بھی احمدی جلسے ہوا کرتے ہیں۔ ان اعتراضوں کے جواب کے لئے جو آریہ لیکچراروں کی طرف سے ہم پر کئے گئے تھے۔ ایک جلسہ مسلمانوں کی طرف سے ہوا۔ حکیم خلیل احمد صاحب نے ایک برجستہ تقریر کی۔ انہوں نے دکھایا کہ یہ نبی عربی ہی کا فیض ہے جو آریہ ورت کے باشندے توحید کی طرف متوجہ ہیں اور تاریخی واقعات سے دکھایا کہ حضور انور نے شمشیر سے اسلام نہیں پھیلایا۔ پھر تناسخ سے جو خدا کے عدل مجسم ہونے کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت واضح کی اور بتایا کہ یہ قوم ایک طرف خدا کو عادل کہتی ہے اور دوسری طرف کتنی شان سے بغیر کسی قصور کے پھر جونوں کے چکر میں ڈالتی ہے